

خدام الدین

٢٥
٢٩

تقویٰ و طہارت ایسی کے آثار

○

قبول اسلام نے صدیق اکبرؓ کو جس طرح چمکایا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ وہ ساری خوبیاں جو ایک مرد مومن کا زیور اور وہ سارے کمالات جو ایک صدیق کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ

جس طرح ایک تندرست معدہ مکھی یا ایسی کوئی گندی چیز برداشت نہیں کرتا۔ حضرت ابوبکرؓ کا معدہ کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کرتا تھا جو معنوی نجاست اور گندگی سے لتھڑی ہو۔

آج جو لوگ انہیں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کے مدعی ہیں ان کے حالات کا جب ہم تجزیہ کرتے ہیں۔ تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ یہ کس قدر بدل گئے۔ ان کے عمل میں کتنی گراوٹ پیدا ہو گئی۔ اور یہ کس طرف رواں دواں ہیں مسلمانوں کو کیسے یقین دلایا جائے کہ وہ اپنے مقام سے بہت پیچھے آ گئے ہیں۔

———— (اسلامی حکومت کے نقش و نگار)

٦٠ پیسے

٢٣ مئی ١٩٧٥ء

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کی رضا

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ بِالْيَسِيرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيلِ مِنَ الْعَمَلِ۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو تھوڑا رزق لے کر اللہ سے راضی رہا اللہ اس کے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الرزق)

دنیا کا دستور ہے کہ جتنی رقم یا جتنا کام کسی کے سپرد کیا جاتا ہے اسی کے مطابق اس سے حساب لیا جاتا ہے۔ اگر آپ نے کسی کو سو روپے دیے ہیں تو جب تک وہ سو روپے کا حساب نہ دے، آپ کا اطمینان نہ ہوگا۔ آخری روپے تک پوچھتے ہی رہیں گے کہ اس رقم کو کس کام میں لائے۔ لیکن اگر آپ نے کسی شخص کو صرف ایک روپیہ دیا ہے تو ایک روپیہ کا حساب سن کر ہی مطمئن ہو جائیں گے اور اس سے مزید کچھ نہ پوچھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی اپنی مخلوق سے ایسا ہی معاملہ ہے۔ جس بندہ کا بدن اور صحت مضبوط ہیں اس سے اس کی قوت کے مطابق پرسش ہوگی اور کمزور یا بڑھے اور بیمار شخص سے اس کی قوت کے مطابق پوچھا جائیگا۔ جو شخص ایک پڑھے لکھے گھرانے میں پیدا ہوا ہے اور اسے خود بھی کافی علم نصیب ہوا ہے اس کا حساب ایک ان پڑھ غریب اور جاہل کنبہ میں پیدا ہونے والے شخص کے مطابق نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک امیر کبیر دولت مند خاندان کے آدمی اور ایک غریب مزدور سے ایک جیسی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ وہ مزدور جس نے دن میں ایک روپیہ کمایا۔ اور پچاس پیسے اپنے لیے رکھ کر دوسرے پچاس پیسے کسی معذور و محتاج کو دے دیے یا کسی قومی یا دینی کام میں لگا دیے۔ اس کا درجہ شاید وہ امیر تو پا سکے جو اپنی ایک ماہ کی ایک ہزار آمدنی میں سے پانچ سو روپے راہ خدا میں خرچ کر دے ورنہ پانچ دس روپے خرچ کرکے کوئی امیر اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث میں غریب لوگوں کے لیے بڑی ہمت افزائی ہے کہ وہ ہر وقت بے زری کا گلہ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری نہ کرتے رہیں بلکہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے اور جو کچھ وہ حلال اور جائز کوششوں سے حاصل کر سکتے ہیں اس پر راضی رہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اور اپنی تھوڑی پونجی میں سے تھوڑا تھوڑا ہی ضروری موقعوں پر اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے رہیں تو اللہ بھی ان سے راضی ہوگا اور ان کی تھوڑی رقم کو نہیں بلکہ ان کی نیت اور خلوص کو دیکھے گا۔ اور شاید انہیں بڑے بڑے امیروں سے بڑھ کر درجہ دے دے اور قیامت کے دن ان کی عزت امیر کبیر لوگوں سے بڑھ جائے۔

اسی طرح اس حدیث میں امیروں کے لیے بھی عبرت ہے کہ وہ اپنے مال و دولت اور اپنی خیرات و سخاوت پر مغرور نہ ہوں اور غریبوں کی معمولی رقموں کو حقارت سے نہ دیکھیں شاید وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بڑی رقموں سے زیادہ قبول ہوں۔ اللہ کے دربار میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ غریب نے اپنے سرمایہ کا کتنا حصہ دیا۔ اور امیر نے اپنے خزانے کا کتنا حصہ خرچ کیا۔

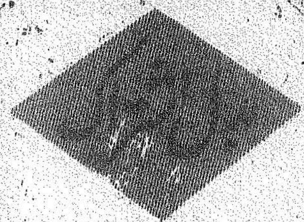
اللہ تعالیٰ ہم سب کو قناعت اور صبر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ
۲ مئی ۱۹۷۵ء

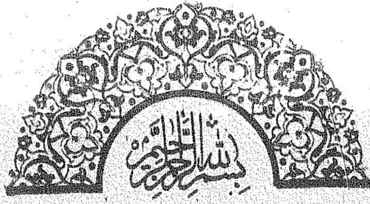
۲۹



سالانہ ۲۶/- روپے
ششماہی ۱۴/- روپے
سہ ماہی ۷/- روپے
فی شمارہ ۵۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

قائدِ اسلامی انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہٗ



کشمیر کا المیہ

واقعات اور گزارشات

صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم تحریک عدم اعتماد کا شکار ہو گئے اور سپیکر اسمبلی مسٹر منظر مسعود عبوری صدر قرار پائے۔

یہ محض ایک خبر نہیں بلکہ ملک و ملت کے خلاف ہونے والی پیہم سازشوں کی ایک کڑی ہے کیونکہ اقتدار بہرحال آنی جانی چیز ہے۔ کسی کا آنا کسی کا رخصت ہو جانا تاریخی عمل ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں لیکن جس پس منظر میں یہ ہوا وہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ دو سال سے اس قسم کی کوششیں ہو رہی تھیں اور اب آ کر ایسے وقت میں یہ کوششیں پروان چڑھیں جب جدید انتخاب میں صرف چند ہفتے باقی ہیں

جو لوگ ایک عرصہ سے اس مذموم سازش کا تانا بانا بُن رہے تھے ان سے ہر ایک واقف ہے اور مجھے یہ کہتے ہیں باک نہیں کہ انہوں نے ناعاقبت اندیشانہ طریق سے اب تک جو کچھ کیا ہے ملک و ملت کے لیے اس کے اثرات انتہائی دُور رس اور گہرے ہوں گے اس لیے ضرورت ہے کہ ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لے کر اس صورتِ حال کو بدلنے کے لیے اپنے طور پہ منظم کوشش کی جائے۔

مَیں واقعاتی نقطہ نظر سے تھوڑا سا پس منظر عرض کر کے اپنی گزارشات کی طرف توجہ دلاؤں گا تاکہ معاملات کو سمجھنا آسان ہو۔

کشمیر ایک اہم خطہ ہے جو ہمیشہ ہر کسی کی دلچسپی کا باعث بنا رہا۔ شاہوں سے لے کر شاعروں تک نے اس خطہ کو اپنی جولانیٔ طبع کا نشانہ بنایا لیکن اس خطہ کی بدقسمتی کی جو تاریک رات اب اس پہ سایہ فگن ہے اس کی کڑیاں قریبی طور پہ ڈوگرہ راج سے ملتی ہیں۔

ڈوگرہ راج کی ستم رانیوں اور قہر سامانیوں کی تلخی بھلائے جانے والی چیز نہیں۔ اس صورت حال کو بدلنے کا داعیہ کچھ ارباب ہمت کے دل میں پیدا ہوا۔ جو مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم پر سرگرم عمل تھے لیکن یہ بات ان لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھی جو ملک و قوم کا سودا کر کے بھی حریت پسندوں کو زک پہنچانا اپنے ایمان و دین کا تقاضا سمجھتے تھے ان لوگوں نے برطانوی حکومت کی گماشتہ جماعت کو آگے بڑھایا۔ اس کے لیڈر مرزا بشیر الدین محمود کے سر پہ کشمیر کمیٹی کا تاج رکھا لیکن جلد ہی یہ سازش ناکام ہو گئی اور مرزا محمود اس خطہ کو اپنی اغراض کی بھینٹ نہ چڑھا سکا۔ مجلس احرار اسلام نے روایتی ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا لیکن کور چشموں، سیاہ باطنوں اور منافقت پیشہ لیڈروں نے مزاحمت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ یہ حرکات نہ کرتے تو کشمیر کا نقشہ اسی وقت ہی بدل جاتا۔

اس کے بعد تقسیم ملک کا مرحلہ آیا۔ اس وقت بھی غریب کشمیریوں کے دکھ درد کے ازالہ کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ کیونکہ انگریز کی مسلم دشمنی' اپنوں کی عدم استقامت اور غلط کار عناصر از قسم ظفر اللہ وغیرہ پہ اعتماد کی وجہ سے تقسیم غلط بنیادوں پہ ہوئی ورنہ کشمیر سمیت اور کئی ریاستیں نیز پنجاب اور بنگال (؟) پورے کا پورا پاکستان میں ہوتا۔ پنجاب بنگال کی طرح کشمیر میں بھی مصنوعی لکیر کھینچ دی گئی اور پھر مخالفین نے تمام بین الاقوامی ضوابط کو پس پشت ڈالا بلکہ اب تک ڈالے ہوئے ہے۔ "نتیجہ" کشمیر کے بھائی بھائیوں سے، مائیں بچوں سے اور باپ اولاد عزیز سے کٹ کر مصنوعی حصاروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

ان مصنوعی لکیروں کو مٹانے کے لیے تین مرتبہ جنگی صورت حال سے ہمیں دو چار ہونا پڑا۔ لیکن ارباب اقتدار کی نااہلی، غفلت شعاری، غلط منصوبہ بندی اور مقصد سے عدم لگاؤ کے نتیجہ میں کبھی بھی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا بلکہ تیسری جنگ ہماری ملی تاریخ کو داغدار کر گئی۔ ادھر یہ ہے اور ادھر جو صورت حال ہے اس سے آپ واقف ہیں۔ جس طرح یہاں کے ارباب غرض نے اپنی مکروہ اغراض کے لیے مشرقی حصہ کو کٹوایا اور پھر بلوچستان و سرحد میں مسائل کو جنم دے کر افراتفری کی صورت پیدا کی ٹھیک اسی طرح انہوں نے کشمیر کو اپنی ستم رانیوں کا تختۂ مشق بنایا ہے۔

اس سے پہلے کی حکومتیں نام نہاد وزارت امور کشمیر کے ایک سیکرٹری کے ذریعہ کشمیری عوام کو دبائی رہیں تو آج کی حکومت لایعنی ترقیوں کے عنوان سے مسئلہ کشمیر سرے سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

سردار عبدالقیوم جو ایک اسلامی ذہن رکھنے والے انسان ہیں اور جنہوں نے سب سے پہلے مرزائیت پہ کاری ضرب لگائی اور بعد میں اسلامی نظام حیات کے لیے خوش آئند اقدامات کیے اس پر وہ مستحق تبریک ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے معاملہ میں ان کا جذباتی لگاؤ کشمیر کو پاکستان بنانے کا عزم اور اس سلسلہ میں جد و جہد بھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ان کے یہی دو کام یار لوگوں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔

پہلا مسئلہ مرزائیت کا تھا اس سلسلہ میں اس وقت جو طوفان اٹھا اس سے ہر ایک آگاہ ہے خورشید حسن میر اور خان عبدالقیوم نے مرکزی کردار ادا کر کے سردار صاحب کو زچ کرنا چاہا لیکن وہ کسی طرح بچ نکلے اور آگ بھڑکانے کے "ذمہ دار فرد" نے وقتی طور پر اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا لیکن ارباب بصیرت سمجھ رہے تھے کہ یہ مداری کی چال ہے وہ ضرور پانسہ پلٹے گا اور اس شکست کا انتقام لے گا۔ چنانچہ اپنی پاکٹ جماعت کا وہاں ڈول ڈالا گیا اور اعلیٰ انسانی اقدار سے عاری انسانوں کی بھیڑوں پر مشتمل گلہ طیار کر کے اس کی زمام کار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی جس کے "بڑے بھائی" کی ستم رانیوں کی وجہ سے ہر پاکستانی آج بھی کراہ رہا ہے۔

اس اقدام کو ناپسند کیا جانا لابدی امر تھا۔ لیکن شملہ معاہدہ کے تقاضے ایسے ہی تھے اس لیے انہوں نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ بطور احسان کشمیر کو پاکستانی صوبہ بنانے کا ناد پھونکا۔ ہر چند کہ حزب اختلاف کے شور و غوغا سے ایسا کرنے سے گریز کیا گیا اور اس کا اعلان نہ کیا لیکن عملاً صوبائی رابطہ میں پانچویں شہ سوار کے طور پر کشمیر کو شامل کر لیا گیا۔

لیکن اتنی سی حرکت سے بات نہیں بنتی کیونکہ یہاں بھی ایسے افراد و اشخاص کی ضرورت ہے جو کٹھ پتلی کا کردار ادا کرسکیں اور موجودہ کشمیر پر قناعت کرکے راضی برضاء مولی کے اصول پر عمل کریں۔

چونکہ سردار صاحب اس معاملہ میں مزاحم تھے۔ اس لیے سازشی طور طریقے چھوڑ کر "آئینی راہ" اختیار کی گئی تاکہ سردار صاحب کو چھٹی دی جاسکے۔ اس آئینی راہ کی ایک صورت آئندہ ماہ کے انتخاب میں صدارتی امیدوار کی حیثیت سے ان کے کاغذات نامزدگی کے خلاف شور و غوغا اور دوسرے تمام عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا ہے۔

اور دوسری صورت تحریک عدم اعتماد تھی تاکہ ابھی ان سے چھٹکارا ہو جاتے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر قرب سلطانی حاصل کرنا چاہا۔ ان کے ذریعہ تحریک عدم اعتماد تو منظور کرا لی اور اب ساری توجہ آئندہ الیکشن میں ان کو ہرانے پر صرف ہوگی۔

ایسے میں کشمیری عوام جو کہیں بھی مقیم ہیں اور اپنا ووٹ استعمال کریں گے سے گزارش کرنا ضروری ہے کہ وہ دوست دشمن کی تمیز کے بعد اپنا ووٹ صحیح طریق سے استعمال کریں مبادا وہ دھن دھونس دھاندلی کا شکار ہو کر اپنی تاریک رات کی زندگی میں اور اضافہ کر دیں۔

سردار صاحب سے گزارش ہے کہ حالات سے دل برداشتہ ہوئے بغیر پہلے سے زیادہ محنت اور خلوص و لگن سے کام کریں تاکہ آپ کی آڑ میں دینی اقدار و مسئلہ کشمیر سے کھیلنے والے افراد منہ کی کھاسکیں۔

پاکستان کے دوستوں سے گزارش ہے کہ بلوچستان کی حکومت توڑنا، میرا احتجاجی استعفیٰ دینا، پنجاب سندھ کی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد کشمیر کا المیہ آپ نے دیکھا۔ اب بھی نہ جاگنا اپنے پر ظلم ہے۔ اس لیے فوری بیداری منظم جدوجہد اور متبادل اجتماعی قیادت پر بھرپور اعتماد کی ضرورت ہے۔

اور آخر میں حکومت پاکستان کے بیداد صفت حکمرانوں سے کہوں گا کہ تم نے مرنا ہے چند روزہ زندگی اور اس کی عیاشیوں اور تن آسانیوں کے لیے ملک و قوم کو تباہ نہ کریں خدارا کرسیٔ اقتدار کو چھوڑ دیں ورنہ خدا کی بے آواز لاٹھی تمہارے آثار و نشانات مٹا کر چھوڑے گی اور جس طرح ایوب کے نام پر قائم ہونے والے نشانات محو ہوگئے اسی طرح عوام اور پیپلز کے نام پر کھیلا جانے والا افراڈ بھی زیادہ دیر نہ چل سکے گا اور دنیا کی تاریخ میں گھناؤنے کردار کے طور پر تم باقی رہ جاؤ گے ——— فھل من مدکر!

افراطِ زر

- تمہیں حرص نے غافل کر دیا۔
- یہاں تک کہ قبریں جا دیکھیں۔
- ایسا نہیں چاہیے۔
- آئندہ تم جان لو گے۔
- پھر ایسا نہیں چاہیے۔
- آئندہ تم جان لوگے۔
- کاش کہ تم یقینی طور پر جانتے۔
- البتہ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔
- پھر تم اسے یقینی طور پر دیکھو گے۔
- پھر اس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(سورۃ التکاثر)

مجلس تحفظ ختم نبوت

فتنۂ ارتداد کے خلاف ایک عالمگیر تحریک

محمد سعید الرحمٰن علوی کے قلم سے!

ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے۔ الّا یہ کہ مجرم خود ہی اپنے جرم سے تائب ہو جائے۔ البتہ اس جرم کی سزا کا حق حکومت کو ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں مرزائیت کے روپ میں جس فتنۂ ارتداد نے جنم لیا چونکہ اس کی پشت پر انگریز حکومت تھی اس لیے اسے اس جرم کی سزا تو کیا ملتی اُلٹا وہ اس وقتی جاہ و جلال کے زیر سایہ پروان چڑھتا رہا۔

جب فلیغیرہ بیدہٖ والی بات نہ بن سکی تو اگلا مرحلہ فبلسانہٖ کا ہوتا ہے سو الحمد للہ جماعت حقہ نے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریق سے نبھایا اور نبھا رہے ہیں۔

اس فرض کی ادائیگی کی اجتماعی توفیق انگریزی دور میں مجلس احرار اسلام کو نصیب ہوئی جس نے "شعبہ تبلیغ" کے نام سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا اور اس کا ہیڈ کوارٹر کادیاں قرار پایا تاکہ فتنۂ ارتداد کے منبع پر بیٹھ کر اس کا تعاقب کیا جا سکے۔ اس شعبہ نے کادیاں میں جو خدمات سرانجام دیں وہ ہماری تاریخ دعوت و عزیمت کا شاندار باب ہے۔ اور اس باب پر کسی دیدہ بینا کے مالک بزرگ کو کھل کر کچھ لکھنا چاہیے تاکہ نسلِ نو اندھیریوں میں سے نکل کر روشنی میں آئے اور اپنے اسلاف کی عظمت کا اندازہ لگا سکے۔

جب پاکستان بنا تو چونکہ بناءِ وطن دینِ اسلام تھا اس لیے بزرگ حضرات اور مخلص مسلمان اس قسم کی توقع رکھتے تھے کہ اب حکومت اپنے دعاوی کا پاس لحاظ کرتے ہوئے تمام مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرے گی لیکن یہ محض ایک خواب تھا جسے نہ شرمندۂ تعبیر ہونا تھا نہ ہوا۔

اس لیے کادیان میں بیٹھ کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنے والے حضرات نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا تمام تر حصہ ختم کر کے صرف اس میدان کو اپنے لیے منتخب کیا اور اس کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے سٹیج بنایا۔

حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ اس قافلہ کے حدی خواں بنے جبکہ متکلم اسلام مولانا محمد علی جالندہری ان کے دست و بازو یعنی ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ جماعت کی ابتدا مختصر ماحول میں ہوئی۔ سرمایہ محدود، وسائل نہ ہونے کے برابر لیکن مقصد کی عظمت پھر اس سے لگاؤ اور وہ بھی مخلصانہ رنگ نہ لانا یہ ناممکن تھا۔

جماعت اپنا سفر طے کرتی رہی حتیٰ کہ امیر شریعت داغِ مفارقت دے گئے تو ان کی نیابت کے فرائض ان کے فرزندِ روحانی خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد کے سپرد کیے گئے جبکہ مولانا محمد علی کے فرائض بدستور رہے۔

اس کے بعد جب قاضی صاحب نے رختِ سفر باندھا تو متکلم اسلام علیہ الرحمۃ امیر قرار پائے۔ اور نظامت عمومی کی ذمہ داریاں مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر کے سپرد کر دی گئیں۔

تیسری امارت کا دور بڑا شاندار تھا۔ بالخصوص دو کام بڑے اہم تھے یعنی دفترِ مرکزیہ کا ذاتی بلڈنگ میں قیام اور مناظرِ اسلام قدس سرہٗ کا دورۂ یورپ۔

تغلق روڈ پر ایک قطعۂ اراضی خرید کیا۔ اس میں لائبریری، دفاتر کی ضرورت کے کمرے اور رہائش کے لیے کمرے بنائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مولانا کا عظیم کام تھا۔ جبکہ سفر یورپ کے سلسلہ میں وہ سخت پریشان تھے

کیونکہ انہیں حضرت امیر شریعت کی ایک بات رہ رہ کر یاد آتی تھی کہ کادیانیت کے منبع یورپ میں کام ہونا انہیں ضروری ہے لیکن مشکل یہ کہ "اپنی حکومت" ان کو ارتداد کے لیے تبلیغ کے مقدس نام پہ لاکھوں کا سرمایہ مہیا کرتی تھی لیکن انہوں کو اجازت دینا نامناسب خیال کرتی تھی لیکن جو حضرات مولانا سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ قدرت نے ان کو شاہانہ دل و دماغ عطا فرمایا تھا انہوں نے مسلسل سوچ بچار کے بعد اس کے لیے راہ ہموار کر لی اور مناظر اسلام قدس سرہٗ یورپ روانہ ہو گئے۔

مرحوم مناظر اسلام نے تین سال تک ملک سے باہر رہ کر کام کیا اس دورہ میں مرحوم نے انگلستان، فرانس، امریکہ، مغربی جرمنی، یوگوسلاویہ، فجی اور دوسرے مقامات پہ تبلیغی سفر کیا۔ فتنہ ارتداد سے متعلق تقریریں کیں جماعت مرتدہ کے گماشتوں سے مناظرے کیے۔ حتیٰ کہ ان کے موجودہ گرو مرزا ناصر کو انگلستان میں دوڑایا اور وہ وہم دیا کہ وہاں سے بھاگا۔ مرحوم کا یہ دورہ دُور رس اثرات کا حامل ثابت ہوا۔ انگلستان میں جماعت نے دفتر خریدا جو ساٹھ ہزار روپے کی مالیت کا ہے۔ جس میں دفتر کی ضروریات، لائبریری، دینی مدرسہ وغیرہ موجود ہیں اور موجودہ امیر حضرت الشیخ مولانا بنوری اسے یورپ میں تبلیغ اسلام کا مرکز بنانے کا عزم کر چکے ہیں اور اس کا اعلان انہوں نے کر دیا ہے۔

ابھی کچھ دن بعد ایک مستند اور جید عالم دین کو سفارتی سطح پر کام کرنے کے لیے انگلستان بھیجا جا رہا ہے ان کا ہیڈ کوارٹر یہی دفتر ہو گا۔ ان کے کاغذات الحمدللہ پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں۔ اور وہ عنقریب جانے والے ہیں۔

اس کے علاوہ مغربی جرمنی میں ۶۰ ہزار کے قریب ترک ارتداد کا شکار ہونے سے بچے اور فجی میں بہت زیادہ کام ہوا۔ اس وقت فجی میں ایک مدرسہ کام کر رہا ہے جس میں جماعت ہی کے تربیت یافتہ دو بہترین مدرس مصروف تدریس ہیں اور تیسرا عنقریب بھیجا جا رہا ہے۔

۱۹۷۰ء میں جب ملک انتخابی ہماہمی کا شکار تھا تو امیر ثالث حضرت مولانا محمد علی ملک کے گوشہ گوشہ میں گئے۔ جہاں مرزائی امیدوار تھے ان سے عوام کو آگاہ کیا اور عملی سیاست سے علیحدہ ہونے کے باوصف شرعی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔

اس سال دسمبر میں الیکشن ہوئے حضرت قائد محترم مفتی محمود صاحب بڑے اعزاز سے کامیاب ہوئے اور اس کے چند دن بعد چنیوٹ کانفرنس میں تشریف لائے۔ اس موقعہ پہ مولانا کے انداز گفتگو سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں اپنے جانے کا علم ہو چکا ہے۔ بہر حال انہوں نے تمام ذمہ داریاں حضرت مفتی صاحب کو سونپ دیں۔ قدرت خدا کی اس کے چار پانچ ماہ بعد ان کا وصال ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ جماعتی روح تھے۔ ان کی موت سے پیدا ہونے والا خلاء مدتوں پورا نہ ہو گا۔

اب ان کا منصب مولانا لال حسین اختر کو دیا گیا اور بسطۃ فی العلم والجسم کے مصداق مولانا عبدالرحیم اشعر ناظم عمومی قرار پائے یہ دور ملکی اعتبار سے بڑا پُر آشوب تھا۔ بڑی مشکلات کے بعد جب آئین سازی کا مرحلہ آیا تو مرحوم امیر رابع نے بڑی محنت اور تگ و دو سے متعلقہ لوگوں سے ملاقات کی، لٹریچر پیش کیا۔ چونکہ آئینی کمیٹی میں حضرت مفتی صاحب کی ذات گرامی موجود تھی اس لیے انہوں نے بڑے احسن طریقوں سے مستقل آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کروائی۔ یہ چیز فتنہ ارتداد کے خلاف بڑی مؤثر تھی لیکن ہوا یہ کہ وہ بھی دو سال بعد دنیا سے رخصت ہو گئے تو عبوری طور پہ مولانا محمد حیات امیر تجویز ہوئے جبکہ بعد میں باضابطہ طور پر اب مستقل امیر حضرت مولانا الشیخ محمد یوسف بنوری ہیں۔

حضرت بنوری کے ساتھ مخدوم العلماء مولانا خان محمد نائب صدر، مولانا محمد شریف جالندھری ناظم عمومی قرار پائے۔

اس قیادت کو فوری طور پر ۲۹ رمئی ۱۹۷۴ء کو حادثہ ربوہ سے دوچار ہونا پڑا لیکن انہوں نے بڑے حوصلے، تدبّر اور اعتماد علی اللہ کی دولت کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کیا۔ اسمبلی سے باہر تمام قوم کو دعوت اتحاد دی۔ چنانچہ مجلس عمل کے نام سے جو کام ہوا اس سے ایک دنیا آگاہ ہے اور اسمبلی کے اندر جماعت کے سرپرست حضرت العلامہ مفتی محمود نے قیادت فرمائی۔ "ملّتِ اسلامیہ کا مؤقف" نامی کتاب مرتب کرا کے اسے ذمہ دار لوگوں تک پہنچایا۔

اس مقام پر اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مرکزی سطح پر مجلس عمل کے سلسلہ میں ہونے والے تمام تر اخراجات اور اسمبلی کے اندر اس کتابچہ کی ترتیب و اشاعت کا پورا صرفہ جماعت نے خود ادا کیا اور کسی قسم کا کوئی چندہ نہیں کیا بلکہ جماعت کے امیرِ مکرم نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو ہے خرچ کر ڈالو باقی کا اللہ ذمہ دار ہے۔

۷ رستمبر کے فیصلہ کے بعد حضرت مولانا بنوری افریقہ اور یورپ کے مختصر دورہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے انگلستان کے دفتر کو وسعت دی۔ اور اسے یورپ میں تبلیغ اسلام کے مرکز کے طور پر استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اور اس سلسلہ میں ضروری کام شروع ہو چکا ہے جس کی ایک کڑی یہاں کے ایک عالم کا سفارتی سطح پر کام کرنے کے لیے جانا بھی شامل ہے۔

علاوہ ازیں حضرت کے دورہ کی وجہ سے ہزاروں افریقی مشرف باسلام ہوئے اور ابھی حال ابوظہبی، کویت وغیرہ میں باقاعدہ جماعت کی شاخیں بن چکی ہیں۔ جبکہ مغربی جرمنی، فجی اور انگلستان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

ملک میں جو کام ہو رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ ملتان میں تین لاکھ کے صرفہ سے زمین خریدی گئی جہاں مسجد اور غیر ملکی طلباء کے لیے ہاسٹل، لائبریری اور پریس لگایا جائے گا۔

۲۔ ربوہ میں اس وقت جزوی طور پر نماز وغیرہ کا اہتمام کرایا گیا ہے جبکہ عملاً مکمل طور پر کھلا شہر قرار دینے کے بعد اس میں مسجد، مدرسہ لائبریری وغیرہ بنائی جائے گی۔

۳۔ موجودہ سال میں بیس غیر ملکی طلبہ کی مکمل تربیت کا نظم درپیش ہے۔

۴۔ لائلپور کے ہفت روزہ لولاک کو جماعت نے اپنے انتظامات کے تحت چلانا شروع کر دیا ہے۔

۵۔ ۴۰ مبلّغ کام کر رہے ہیں جبکہ مختلف زبانوں میں لٹریچر کا اچھا خاصا سلسلہ جاری ہے۔

۶۔ عنقریب حضرت بنوری کی قیادت میں بیرونی ممالک کا سفر درپیش ہے جس میں فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں وسیع پیمانہ پر کام کا منصوبہ زیرِ نظر ہے۔

۷۔ ملک بھر کے تمام اداروں میں جماعت وسیع پیمانے پر اپنا لٹریچر ارسال کرتی ہے۔ بالخصوص غیر ملکی طلبہ جو اس فتنہ کے مالہٗ و ما علیہ سے کما حقہٗ واقف نہیں ان کو واقف کرانا ازبس ضروری ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سے ایک عربی کتابچہ لکھوا کر ایوبی دور کی مسلم علماء کانفرنس اور پھر اسلامی سربراہ کانفرنس پر وسیع پیمانہ پر تقسیم کیا گیا۔ جبکہ یہ کتابچہ ترکی میں بڑی کثرت سے وہاں کی ایک انجمن نے چھپوا کر تقسیم کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی امیر جمعیۃ علماء اسلام بھی جماعت کے مربی و سرپرست ہیں۔

جماعت پورے ملک میں کسی معاوضہ کے بغیر تبلیغی خدمت سرانجام دیتی ہے۔ صرف دس پیسہ کا کارڈ لکھ کر مبلّغ کو بلایا جا سکتا ہے۔

مقامی لوگ خدمت کریں تو جماعتی بیت المال کی رسید کٹ جاتی ہے اور مبلّغین کا خرچ جماعت برداشت کرتی ہے۔ دنیا بھر کی مسلم تنظیموں اور علماء سے جماعت کا رابطہ ہے جس کو مزید وسعت دی جا رہی ہے۔ جماعت چاہتی ہے کہ دنیا بھر

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

خطبۂ جمعہ

مرتب

محمد سعید الرحمٰن علوی

امانتوں میں خیانت اور عدل سے گریز

ــــــ ہماری تباہی کا باعث ہے ــــــ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ!

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ○

یہ آیت کریمہ سورہ نساء کے آٹھویں رکوع کی ہے مختصر تشریح سے قبل ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو، بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا"

اس آیت سے متعلق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

"یہود میں عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فیصل خصومات میں رشوت وغیرہ کی وجہ سے کسی کی خاطر اور رعایت کر کے خلافِ حق حکم دیتے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے اس آیت میں روکا گیا"

گویا امانت کے معاملہ میں عدم توجہی اور غفلت اور فیصلہ کے معاملہ میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا یہود کی بد عادات میں شمار ہوتا تھا۔ ایسے میں کسی مسلمان کے لیے یہ کسی صورت لائق و مناسب نہیں کہ وہ ان معاملات میں یہود کے نقشِ قدم پہ چلے۔ بلکہ بہ حیثیت مسلمان ہر کسی پہ لازم ہے کہ وہ خالص خدائی احکامات کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری کرے چاہے اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

امانت سے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مثلاً ایک مقام پہ منافق کی نشانیوں میں امانت میں خیانت کو بھی گنوایا۔ ایک اور جگہ آپ نے کئی گناہ گنوائے۔ جن کا نتیجہ زلزلہ، خسف و مسخ وغیرہ قرار دیا۔ ان گناہوں میں امانت کا ضیاع بھی ارشاد فرمایا۔

ایک مقام پہ ہے کہ آپؐ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ یعنی جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اور جب امانتوں کے ضیاع کی کیفیت پوچھی گئی تو فرمایا۔ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ یعنی کسی چیز کو کسی غیر اہل کے سپرد کر دینا یہ ہے امانت میں خیانت کا مفہوم!

وسّد الامر سے متعلق مشکوٰۃ کے محشی ارشاد فرماتے ہیں کہ سلطنت قضا یا گورنری جیسے اہم مناصب ایسے افراد کے سپرد کرنا جو اس کے اہل نہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں عام طور پہ امانت میں خیانت کا مفہوم یہی کچھ سمجھا جاتا ہے کہ روپے پیسے وغیرہ میں ناجائز تصرف! لیکن فی الحقیقت یہ بڑا سطحی قسم کا مفہوم ہے جبکہ اصل مفہوم بڑا جامع اور وسیع ہے اور اس میں تمام تر اجتماعی اور انفرادی مسائل آ جاتے ہیں۔

اور اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو جو کچھ

مشکوٰۃ کے محشی نے لکھا یہ بڑا اہم معاملہ ہے کیونکہ جہاں بھی ان مناصب کا تعلق ہے ان پر قوم و ملت اور مذہب و ملک کی حیات اجتماعی کا دارومدار ہے اس میں جب صحیح اور اہل افراد اپنے مقام پر موجود ہوں گے تو جسد ملی کو کوئی خطرہ نہ ہوگا لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہوگا اور نا اہل، خائن، بددیانت اور منافق صفت افراد جنہیں مقصد سے کوئی لگاؤ نہ ہوگا وہ جسد ملی کی کشتی کے کھیون ہار ہوں گے۔ تو ایسے میں بربادی و تباہی مسلط نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا جیسا کہ ہمارے یہاں ہو رہا ہے یہاں اول تو قوم فیصلہ ہی اجتماعی حیثیت سے صحیح نہیں کرتی بلکہ ایسے افراد کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیتی ہے جنہیں نہ دین سے لگاؤ ہوتا ہے نہ خدا کا خوف ان کے دل میں ہوتا ہے اور نہ ہی قوم کی غمگساری کا جذبہ۔

اور اگر بعض افراد ایسے منتخب ہو بھی جائیں۔ جن میں یہ صلاحیتیں ہوں تو ملک کا بگڑا ہوا نظام ان کو چلنے نہیں دیتا جیسا کہ ہمارے یہاں بلوچستان و سرحد میں ہو چکا ہے اور ابھی ابھی کشمیر میں ہوا۔ بلوچستان و سرحد اور کشمیر کے حکمران چونکہ قومی اور اجتماعی مسائل کے حل میں گہری دلچسپی لے رہے تھے اور ان کی سوچ کا محور دین حق تھا اس لیے ان کے لیے اتنی مشکلات پیدا کی گئیں کہ الامان۔

اور دوسرا ٹکڑا عدل سے متعلق ہے۔ قرآن عزیز نے ایک مقام پر عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر حال میں عدل کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تقویٰ حقیقت میں تمام بھلائیوں کی جڑ ہے۔ تمام عبادات کا مقصد تقویٰ ہے یعنی ہر حال میں خدا سے ڈرنا۔ ایک جگہ اللہ تعالےٰ نے عدل کا حکم دیا تو فرمایا کہ عدل کے تقاضے تمہارے والدین، رشتہ داروں اور خود تمہاری ذات کے خلاف بھی ہوں تب بھی تمہیں عدل ہی کرنا ہوگا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں عدل کی کتنی اہمیت ہے۔

ہمارے یہاں عدل کا مفہوم صرف عدالتی اختیارات تک لیا جاتا ہے کہ عدالتی معاملات میں انصاف کیا جائے بے شک یہ صحیح ہے کہ عدالتی سطح پر انصاف نہایت اہم ہے۔ اور اس مقدس مقام پر بیٹھ کر اس کے تقاضے پورے نہ کرنا ایک گھناؤنا معاشرتی جرم ہے لیکن فی الحقیقت عدل ہماری پوری زندگی میں حاوی ہونا چاہیے۔

بقول حضرت مولانا عثمانی رحؒ

"عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات عدل و انصاف کی ترازو میں تلے ہوں اور افراط و تفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ جو بات اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے"۔
(سورۃ نحل)

دیکھا آپ نے سلطان القلم مرحوم نے چند لفظوں میں عدل کا مفہوم کس طرح واضح فرمایا۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج روایتی معنوں میں دیندار لوگ بھی ان شرعی تقاضوں کو پورا نہیں کرتے جس کی وجہ سے ہماری پوری زندگی عدم توازن کا شکار ہے کسی پل چین و سکون نہیں اور چین و سکون کیسے میسر ہو جب ہم خدائی نصیحتوں پر عمل نہ کریں۔

شروع میں جو آیت پڑھی اس کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے اس پر مولانا عثمانی رحؒ فرماتے ہیں:

"یعنی اللہ جو تم کو ادائے امانت اور عدل کے موافق حکم دینے کا حکم فرماتے ہیں تو یہ سراسر تمہارے لیے مفید ہے"۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم لوگ ادائے امانت اور عدل کے متعلق شرعی ذمہ داریوں کو پورا کریں تاکہ ہماری

ولی اللٰہی فکر کے احیاء کی ضرورت

زاہد الراشدی

دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ ترجمان "دارالعلوم" اپریل ۷۵ء کے ادارتی شذرات میں مولانا ندیم الواجدی مندرجہ بالا عنوان کے تحت ایک اہم ضرورت کی طرف دیوبندی مکتب فکر کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

"ہندوستان میں عربی مدارس کا قیام ان ہی خطوط پر ہوا تھا جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں متعین کیے گئے تھے ہمارے اکابر میں بہت سے نام ایسے ہیں جنہوں نے ان بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے زبردست جد و جہد کی اور ولی اللٰہی فکر کو اس کا اصل مقام دلانا چاہا مگر اب ایسا لگتا ہے کہ ہمارے مدارس میں ولی اللٰہی فکر کی حیثیت برائے نام ایک امتیازی علامت کی ہو کر رہ گئی ہے۔ حقیقت میں نہ اب ولی اللٰہی فکر کو سمجھانے والے رہے ہیں اور نہ سمجھنے والے۔ المیہ یہ ہے کہ اب اس فکر کی اہمیت کا احساس بھی جاتا رہا ہے۔"

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "حجۃ الاسلام" پر حضرت شیخ الہندؒ کا مقدمہ ہے جس میں حضرت نے بڑی شدت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں کو داخل درس کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لیے ولی اللٰہی فکر نے بڑا کام کیا ہے۔ اس فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عقل و نقل اور وجدان تینوں کو شامل ہے۔ تصوف، حکمت اور اسلامی فلسفہ اس کا اہم جزو،

بنیادی بات یہ ہے کہ اس فکر کے ذریعہ تشریعی حکمت کی تشریح ہوتی ہے ہمارے مدارس کو اس پہلو پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ داخلی اور خارجی طاقتوں کے مقابلے کے لیے سب سے بہتر محاذ ہم شاہ صاحبؒ کی کتابوں کی مدد سے ہی تشکیل دے سکتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کی مایۂ ناز کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" ہمارے مدارس کے نصاب کا لازمی مضمون قرار پائے اس طرح جہاں ولی اللہ فکر کے ساتھ ہمارا انتساب صحیح معنوں میں باقی رہے گا وہاں اس فکر کے احیاء کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ ورنہ بہت ممکن ہے ایک دو نسلوں کے بعد لوگ اس فکر میں اجنبیت محسوس کرنے لگیں۔"

مولانا ندیم الواجدی نے بلاشبہ ایک اہم سوال اٹھایا ہے اور اسے سرسری نظر سے دیکھ کر اس کے مضمرات و مقتضیات پر غور نہ کرنا یقیناً زیادتی ہوگی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس معاملہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لائیں تاکہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے اٹھنے والی اس آواز کو کما حقہ معرضِ وجود میں لایا جا سکے۔

اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کے لیے فکری و روحانی بنیاد ولی اللٰہی فکر نے مہیا کی ہے اور امام ولی اللہ دہلویؒ نے الہامی افکار کی بنیاد پر

جو مکتبِ فکر و عمل تشکیل دیا تھا اس سرزمین میں اسلام اور اس کے علوم و افکار کی حفاظت کی تمامتر جد و جہد میں وہی فکر و عمل کارفرما نظر آتا ہے خاندان ولی اللٰہی خصوصاً امام ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی علمی فکری و اصلاحی خدمات آئندہ تمامتر خدمات کی بنیاد و محرک بنیں اور بعد کی تمام سیاسی، علمی، فکری، اصلاحی، روحانی اور تحریکی مہمات اسی خاندان کی خوشہ چین ہیں۔

ولی اللٰہی خاندان کی عظیم سیاسی، فکری، روحانی و تحریکی خدمات کے بعد دارالعلوم دیوبند کی عظیم خدمات کا نمبر آتا ہے اور اسے بلاشبہ تحریک ولی اللٰہی کا دوسرا فکری و علمی دور کہا جا سکتا ہے۔ دارالعلوم کے اکابر بھی ولی اللٰہی خاندان کے خوشہ چین اور اس کے آستانۂ علم و فکر کے ترجمان تھے اور انہوں نے بھی اسی انداز سے سیاسی، فکری، تبلیغی، روحانی، اصلاحی اور علمی محاذوں پہ جد و جہد کی ہے اور اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ولی اللٰہی فکر نے برصغیر کے مسلمانوں کو نہ صرف آزادیٔ فکر اور پابندیٔ اسلام کا سبق دیا بلکہ ان کٹھن راہوں میں ولی اللٰہی پارٹی نے مسلمانوں کی قیادت بھی کی۔

۲- یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ میں بنیادی و فیصلہ کن کردار ادا کرنے والے اس عظیم گروہ کے افکار و نظریات اور خدمات سے نئی پود کو روشناس کرانے میں ہم ناکام رہے ہیں اور ہمیں اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہؒ کے اقتصادی و سیاسی نظریات آنے والے دور میں پوری دنیائے انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دے سکتے ہیں لیکن ابھی تک موجودہ دور کی تکنیک کے مطابق انہیں مرتب و مدوّن نہیں کیا جا سکا۔

شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت مولانا احمد علیؒ تک قافلۂ ولی اللٰہی نے اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں جو بے مثال خدمات سرانجام دی ہیں ہم ان کو تحریر کے دامن میں نہیں سمیٹ سکے۔

اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ ہمارے ہاں دینی مدارس و مکاتب کا نظام جو بلاشبہ ولی اللٰہی تحریک کے طے کردہ خطوط پر قائم کیا گیا تھا دینی علوم حاصل کرنے والے طلبہ کو ولی اللٰہی جماعت کے افکار و اعمال سے آگاہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

۳- جبکہ آج سوچی سمجھی سکیم کے تحت ولی اللٰہی خاندان اور گروہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کی سعی نامشکور جاری ہے اور اخبارات و رسائل پڑھنے والے حضرات اس امر سے ناواقف نہیں کہ ایک مخصوص گروہ پورے عزم کے ساتھ ولی اللٰہی جماعت کے بنیادی ارکان کو پس منظر میں لے جانے اور ایسے حضرات کو تحریکِ آزادی کے نام پر نئی نسل سے روشناس کرانے کی کوششوں میں مصروف ہے جن کا تحریک آزادی کی قیادت سے کوئی واسطہ نہیں۔ آج کا پریس شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کو کھلے بندوں انگریز کا ایجنٹ کہہ کر ایک ایسے شخص اور اس کے خاندان کو جد و جہد آزادی کا قائد ثابت کرنے میں مصروف ہے جس نے تحریک آزادی میں حصہ لینا تو کجا خود انگریزی حکومت کے دور میں ہندوستان کو دارالسلام قرار دے کر انگریز کے خلاف جہاد کی ممانعت کی تھی۔

یہ دیدہ دلیری صرف اس لیے ہے کہ ولی اللٰہی گروہ سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والے حضرات خوابِ خرگوش میں مست ہیں اور انہوں نے شعوری یا غیرشعوری طور پہ ماضی سے رشتہ عملاً منقطع کر رکھا ہے ورنہ دینی مدارس میں ولی اللٰہی افکار اور تحریک سے طلبہ کو متعارف نہ کرانے کی کوئی اور توجیہہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۴- مولانا نعیم الواجدی نے تو صرف "حجۃ اللہ البالغہ" کو داخل نصاب کرنے کی سفارش کی ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ قطعاً ناکافی ہے۔ اول تو دینی مدارس کو اپنے پورے نظام پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے کیونکہ موجودہ طریق کار میں "رجالِ کار" پیدا نہیں ہو رہے اور تحریک ولی اللٰہی کو فکری، تحریری، تدریسی، تقریری، اصلاحی اور سیاسی محاذوں پر "رجالِ کار" کے خوفناک قحط کا سامنا ہے اور دینی مدارس کے پورے نظام کو از سرِ نو مرتب کیے بغیر اس قحط پر قابو پانا اگر ناممکن نہیں تو

(باقی ص ۲۲ پر)

زلزلہ کے بعد ؟

تحریر: محمد یوسف لدھیانوی

"ہمارا یہ سالانہ اجتماع بعض خصوصیات رکھتا ہے۔ ہم ایسے حالات سے گزرے ہیں جنہیں ایک زلزلہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ بلکہ گزشتہ چند سالوں سے بعض جھنجھوڑنے والے واقعات اور حادثات دنیا پر اور ہمارے وطن اور خصوصیت سے ہم پر گزرتے آئے ہیں.... جہاں تک میرا مشاہدہ ہے جس قدر حق تھا ہم نے نوٹس نہیں لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تازہ ترین حوادث کے بعد اور پیش آمدہ حالات میں ہم ایک بالکل تبدیل شدہ قوم ہوتے اور ہمارا ہر فرد ایک نئی زندگی اپنے اندر محسوس کرتا۔ آیت قرآنی ہمیں جھنجھوڑ کر ہم سے پوچھتی ہے کہ کیا ایمان لانے والوں کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دلوں میں عاجزی پیدا ہو جاتی؟"

یہ وہ الفاظ ہیں جن سے قادیانی لاہوری فرقہ کے ایک محترم بزرگ ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے لاہوری فرقہ کے سالانہ جلسہ میں اپنی تقریر کا آغاز فرمایا۔

(پیغام صلح ۲۹ جنوری ۷۵ء صفحہ ۱)

بلاشبہ حوادث و واقعات ایک فہیم آدمی کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں اور اس کو فکری و عملی لغزشوں کی اصلاح کا ایک موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ انسان کے پہلو میں دل اور دل میں ایمان کی ذرا سی رمق بھی باقی ہو تو آدمی معمولی واقعات کو بھی خدائی تنبیہ سمجھتا ہے اس کا احساس انگڑائی لے کر بیدار ہوتا ہے اور وہ صلاح و فلاح کے راستہ پر پلٹ آتا ہے۔ لیکن اگر قلب غلط نظریات و عقائد کو قبول کرنا چاہے تو رفتہ رفتہ اس کی حالت وہی ہو جاتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ بیان فرمائی:

"اسود مربادا کالکوز مجخیا لا یعرف معروفًا ولا ینکر منکرًا۔

یعنی "کالا سیاہ، الٹے کوزے کی مانند، نہ صحیح کو صحیح سمجھنے کی صلاحیت رکھے نہ غلط کو غلط سمجھنے کی!" (مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن)

اندریں حالت ماؤف قلب میں حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد ہی باقی نہیں رہتی۔ اسی کو قرآن کریم میں "زیغ"۔ "ختم"۔ اور "رین" فرمایا ہے۔ اس وقت اس کے حق میں تمام تنبیہات غیر مؤثر اور غیر مفید ثابت ہوتی ہے۔

یہ زلزلہ جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اشارہ کیا ہے ہمارے بھائیوں کے لیے ایک بہت بڑی (اور شاید آخری) تنبیہ تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے بھائیوں نے غصے اور جھنجھلاہٹ کی وجہ سے (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے) اس کا نوٹس نہیں لیا۔ مثلاً:

۱۔ اس موقعہ پر وہ غور کرتے کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ حدیث، تفسیر، عقائد کی تمام کتابوں میں درج ہے۔ صحابہ، تابعین اور بعد کے تمام مجددین اور اکابر امت اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ معتزلی، جبائی جیسے بد دینوں نے بے شک اس کا انکار کیا۔ لیکن اہل حق میں سے ایک شخص بھی تیرہ صدیوں میں ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول جسمانی کا منکر ہو۔ خود مرزا غلام احمد ملہم اور مجدد ہونے کے باوجود اٹھارہ برس تک قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مطابق عقیدہ حیات کے قائل رہے — (مرزا صاحب پر نزول الہامات کا سلسلہ ۱۲۹۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۳۰۸ھ تک وہ اس عقیدہ کے قائل

ہے ۔ ۱۳۰۸ھ میں "فتح اسلام" نامی رسالہ لکھا اور اس میں وفاتِ مسیح کا اعلان اور اپنی مسیحیت کا دعویٰ شائع کیا اس کے بعد ۱۸ سال اس عقیدہ پر رہ کر ۱۳۲۶ھ میں فوت ہوئے گویا ان کی الہامی زندگی کا نصف اوّل حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر گزرا اور نصفِ آخر وفات کے عقیدہ پر)

اب اگر ہمارے بھائی غور کرتے تو واضح ہو جاتا کہ مرزا صاحب کے اٹھارہ سالہ الہامی دَور کا وہ عقیدہ جو بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ، اربابِ کشف و الہام اور مجددینِ اسلام کے عقیدے کے مطابق ہے، وہ صحیح ہے یا وہ اٹھارہ سالہ عقیدہ جو ان تمام اکابرِ امّت کے خلاف ہے ؟

اگر ہمارے ان بھائیوں کو مرزا صاحب سے حسنِ ظن ہی رکھنا تھا تو یہ تاویل بھی کر سکتے تھے کہ مرزا صاحب سے "الہام" کے دوسرے دَور کے الہام میں اجتہادی غلطی ہو گئی ہے ۔ اس لیے عقیدہ تو وہی صحیح ہے جو اکابر امت کا تھا اور مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ۔ کیونکہ ان کو مسیح موعود مان لینے سے نہ صرف ان کے اٹھارہ سالہ الہامی دَور کا عقیدہ غلط ہو جاتا ہے بلکہ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ تیرہ صدیوں کے تمام ملہمین اور مجددین ایک غلط عقیدہ کی نشر و اشاعت کرتے رہے ۔ قرآن کریم کی وہ آیات جن کو مرزا صاحب وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر پیش کرتے ہیں ۔ پوری امت کے اکابر اولیاء اللہ پر مخفی نہیں رہ سکتی تھیں ۔ اور خود مرزا صاحب بھی ان آیات سے اپنے اٹھارہ سالہ الہامی دور میں جاہل نہیں ہوں گے ۔ جب ایک عقیدے پر تمام امّت کے صلحاء متفق ہیں ۔ اور مرزا صاحب بھی ایک مدّت تک ان سے متفق رہے ہیں تو وہ عقیدہ کیسے غلط ہو سکتا ہے ؟ مرزا صاحب کا اس عقیدہ پر اعتراض کرنا کوئی اچنبھا بات نہیں تھی ۔ انہی کے زمانہ میں نیچری بھی اس پر اعتراضات کر رہے تھے اور ان کے دلائل بھی قریباً وہی تھے جو مرزا صاحب نے پیش کیے ۔

الغرض اگر ہمارے بھائی صحیح زاویہ نظر سے غور کرتے تو انہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع و نزولِ جسمانی میں کوئی اشکال ہی پیش نہ آتا اور نہ مرزا صاحب کو مسیح موعود بنانے کی ضرورت پیش آتی ۔

۲ ۔ اسی طرح وہ اس پر بھی غور کرتے کہ مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے ساتھ چند اشخاص کو بغض و حسد یا نفسانیت کی بناء پر اختلاف ہو سکتا ہے ۔ مگر تمام ہندوستان اور پھر تمام عالمِ اسلام کے لوگوں کو، جو مرزا صاحب سے ذاتی طور پر واقف بھی نہیں ۔ بلکہ انہوں نے صرف مرزا صاحب کے نظریات و عقاید کو پڑھا ہے ان سب کو آخر مرزا صاحب یا مرزائی جماعت سے کیا ضد تھی ؟ ان سب نے متفقہ طور پر مرزا صاحب کے نظریات و عقائد کو اسلام کے خلاف کیوں قرار دے دیا ؟ اور پھر قومی اسمبلی کے معزز ممبران تو مسلسل دو تین مہینے تک ان نظریات و عقائد کی صحت و سقم پر غور کرتے رہے ۔ انہوں نے قادیانی اکابر کو اپنا کیس مدلل طور پر پیش کرنے کا پورا موقعہ دیا ۔ ایک ایک بات پر مکمل جرح ہوتی رہی ۔ بالآخر ممبران بھی اسی نتیجہ پر پہنچے جو ۷ ستمبر ۷۴ء کو سب کے سامنے آیا ۔ حالانکہ قبل ازیں بہت سے ممبران ان اختلافات کی نوعیت سے بھی شاید پوری طرح واقف نہ ہوں گے ۔ ہمارے بھائیوں کے لیے یہ واقعی بہت بڑا حادثہ تھا مگر انہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اس حادثہ کی کتنی ذمہ داری خود ہمارے اپنے یا ہمارے مقتدا کے نظریات و عقائد پر عائد ہوتی ہے ؟ کہیں ہمارے عقیدے میں تو کوئی چیز قابلِ اصلاح نہیں ؟

۳ ۔ انہیں ان تمام واقعات کو "ابتلاء" کہہ کر دل کو تسلّی دینے دلانے کے بجائے یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ "ابتلا" کبھی خیر کا رنگ لیے ہوتا ہے، کبھی شر کا ۔ ہر "ابتلا" تو خیر نہیں ہوتا ؟ اور پھر دورِ ابتلا کی بھی ایک حد ہوتی ہے ۔ جو "ابتلا" جناب مرزا صاحب کو اپنے دعوے کے پہلے دن پیش آیا تھا وہی "ابتلا" ایک صدی تک آخر کیوں چلتا رہا ؟ بلکہ دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا ۔ تین چار نسلیں اسی "ابتلا" میں گزر

گئیں اور ابھی تک یہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، کہیں ایسا تو نہیں کہ جناب مرزا صاحب کے دعویٰ پر ایمان لانا ہی خدا کے نزدیک "ابتلا" ہے۔ اور یہ ابتلاء خیر نہیں بلکہ دوسری قسم کا ہے۔

۴۔ ہمارے بھائیوں کو اس پر غور کرنا چاہیے تھا کہ "امام مہدی" یا "مسیح موعود" ہونے کا دعوےٰ پہلی بار صرف مرزا غلام احمد صاحب نے ہی نہیں کیا بلکہ بہت سے لوگ اس دعوےٰ کو لے کر اٹھے، جماعتیں بنائیں، مقابلے کیے اور بعض نے کچھ مدت تک بڑی شان و شوکت بھی دکھائی لیکن رفتہ رفتہ ان کے جھتے دست بُردِ زمانہ کا شکار ہو کر رہ گئے، آسمان سے نہ وہ آئے تھے نہ مرزا صاحب آئے۔ کسی کا نام تھوڑے دنوں رہا، کسی کا غلغلہ مدتوں بلند رہا۔ جب ایک صدی بعد بھی مرزا صاحب کے دعویٰ کا انجام وہی ہوا جو پیشتر کے ژلزلہ میں ہوا، تو اس سے کیوں نہ قیاس کیا جائے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ بھی عنداللہ پہلے لوگوں جیسا ہے۔ تیسری نسل کے بعد تو فطرۃً ہر تحریک میں ضعف اور کمزوری کے آثار شروع ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ توقع رکھنا محض خوش فہمی ہے کہ مرزا صاحب کی تحریک کہیں سو دو سو سال پھلے پھولے گی۔

۵۔ ہمارے بھائیوں کو مسلمانوں سے شکایت ہے کہ وہ ضد اور تعصب کی بناء پر مرزا صاحب کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان بھائیوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ مرزا صاحب کی حمایت میں تمام اکابر امّت کی مخالفت کرتے ہیں۔ دیکھیے نا! ظلّی اور بروزی نبوت جو مرزا صاحب نے جاری فرمائی ہے۔ اکابر امّت میں کوئی شخص اس کا نہیں قائل ہوا۔ مرزا صاحب دعوےٰ کرتے ہیں کہ وہ استعارہ کے رنگ میں مریم بنائے گئے، پھر حاملہ ہوئے، پھر ان سے عیسیٰؑ کا وضع حمل ہوا۔ اور پھر وہ نہ صرف سچ مچ "عیسیٰؑ" بن گئے بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام حقوق انہیں حاصل ہو گئے۔ اب اگر مرزا صاحب کی بے جا حمایت نہ ہو تو کیا کوئی مسلمان اس کا قائل ہو سکتا ہے؟

اسی طرح مرزا صاحب "بروزِ محمدؐ" کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور تمام کمالات ان کے آئینۂ ظلّیت میں منعکس ہو گئے۔ اس لیے وہ نہ صرف نبی ہیں بلکہ وہ بعینہٖ محمد رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے وہی نسبت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو پہلی رات کے چاند کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ اب اگر بے جا حمایت نہ ہو تو کیا اس کو کوئی مسلمان گوارا کر سکتا ہے؟

۶۔ پھر ہمارے بھائیوں کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم، حدیث شریف، فقہ، اصول اور تمام اسلامی علوم چودہ صدیوں سے موجود ہیں مگر مرزا صاحب نے قرآن کریم کی آیات کے ایسے معنیٰ بیان کیے جو تیرہ صدیوں کے اکابر امّت کے خلاف ہیں۔ اور اس قسم کی آیات دس بیس نہیں سینکڑوں ہیں اور احادیث مبارکہ کی تعداد ان سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اگر مرزا صاحب کے بیان کردہ معنیٰ صحیح تسلیم کر لیے جائیں تو چودہ صدیوں کی امّت نے جو کچھ قرآن و حدیث سے سمجھا وہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب ایک شخص کی حمایت میں چودہ صدیوں کی امّت کو گمراہ اور غلط کار سمجھنا تو صحیح نہیں ہو گا۔ کیا اس کے بجائے یہ بہتر نہیں کہ ایک شخص کی غلطی تسلیم کر لی جائے اور امّت کو مزید فتنوں سے بچایا جائے۔

۷۔ ہمارے بھائیوں کو اس پہ بھی غور کرنا چاہیے تھا کہ دین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل و مکمل ہو گیا اب مرزا صاحب اپنی وحی اور اپنی ظلّی و بروزی نبوّت پر جو ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کیا اس سے اسلام میں ایک نئے رکن کا اضافہ نہیں ہو جاتا؟ کیا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شعرانیؒ، مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ اور دوسرے مجددین نے بھی اپنی وحی پہ ایمان لانے کو شرطِ ایمان قرار دیا تھا؟ اور خدا تعالیٰ نے تو ختمِ نبوت اور اکمالِ دین کا اعلان کر دیا اور مرزا صاحب بار بار اپنے حق میں نبی اور رسول کا لفظ دہراتے ہیں۔

۸۔ ہمارے بھائی اگر غور کرتے تو انہیں صاف نظر

آتا کہ مرزا صاحب کے نظریات میں کبھی استقرار نہیں ہوا۔ انہوں نے ہر بحث میں کبھی کچھ رائے ظاہر کی اور کبھی کچھ۔ اور عقاید کے معاملہ میں بھی ان کا طریقہ یہی رہا کہ آج ایک عقیدہ ہے تو کچھ مدت بعد دوسرا عقیدہ۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ تو ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آیا ہو۔ مرزا صاحب کا اگر پہلا عقیدہ صحیح تھا تو دوسرا غلط تھا، اور اگر دوسرا صحیح تھا تو پہلا غلط تھا۔ اب جو شخص کہ ایک مدت تک خود بھی غلط عقیدے پر قائم رہا ہو اور لوگوں کو بھی اسی غلط عقیدے کی دعوت دیتا ہو اس کو امام اور مجدد تسلیم کرنا انصاف سے بعید نہیں تو اور کیا ہے؟

۹۔ زلزلہ کے بعد ہمارے قادیانی بھائی عجیب و غریب نفسیاتی الجھن کا شکار ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ سے سنا کہ مرزا صاحب "امام مہدی" اور "حضرت عیسیٰ" تھے۔ مگر مسلمانوں نے ان سے بھی وہی سلوک کیا جو پہلے کے نام نہاد مہدیوں سے ہوتا رہا۔ ایک طرف مرزا صاحب سے ان کی شدتِ عقیدت اور دوسری طرف مسلمانوں کی شدتِ نفرت نے ہمارے بھائیوں میں غصہ، جھنجھلاہٹ اور اعصابی تحریک کی کیفیت پیدا کر دی ہے وہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک اسلامی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور امتِ اسلامیہ مرزا صاحب کو جھوٹے مدعیانِ مہدویت کی صف سے نکال کر اپنے اندر جذب کرنے پر آمادہ نہیں۔ بلاشبہ یہ ذہنی کشمکش ایک ہیجانی کیفیت پیدا کرنے والی ہے اس لیے ان بھائیوں کا غم و غصہ ایک فطری چیز ہے۔ لیکن انہیں نہایت ٹھنڈے دل سے یہ سوچنا چاہیے کہ اس کی ذمہ داری تو خود ان عقائد پر عائد ہوتی ہے جو مرزا صاحب نے اپنے پہلے اٹھارہ سالہ الہامی دور کے خلاف شائع کئے اور ان کی بنیاد نئے الہام (انا جعلناک المسیح ابن مریم) پر رکھی۔
اس نفسیاتی الجھن کا حل بھی بہت آسانی سے نکالا جا سکتا تھا۔ قادیانی احباب ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اپنے الہامات کا "صحیح مفہوم" سمجھنے میں کئی بار "اجتہادی غلطی" لگی اور بعض اوقات تو ان الہامات کا مفہوم تب سمجھ میں آیا جبکہ واقعات کی صورت ان کی الہامی تشریح کے خلاف ظہور پذیر ہوئی۔

مثلاً "مرزا صاحب کو "مصلح موعود" کا الہام ہوا۔ یہ الہام انہوں نے بشیر اول پر لگایا۔ وہ فوت ہوا تو الہام کے معنی یہ سمجھ آئے کہ اس الہام میں دو لڑکوں کی بشارت تھی۔ پھر اس الہام کو مرزا محمود احمد صاحب پر "بالفعل بطور تفاؤل" لگایا۔ پھر الہام کے تیرہ سال بعد اسی کو صاحبزادہ مبارک احمد پر لگایا وہ بھی فوت ہو گیا تو ایک نئے لڑکے بچی کا الہام ہوا جو مبارک احمد کے قائم مقام ہو گیا مگر اس کے بعد کسی بچی نے مرزا صاحب کے عرصۂ حیات میں قدم نہ رکھا اور آج تک مرزا صاحب کے نام لیواؤں کے نزدیک مصلح موعود کا "اجماعی مفہوم" متعین نہ ہو سکا۔

مرزا صاحب کو بعض خواتین مبارکہ سے نکاح کا الہام ہوا انہوں نے اس کا مصداق محمدی بیگم کو سمجھا اور ساری عمر اس پر اصرار فرماتے رہے لیکن الہام کے بعد کوئی "بیگم" مرزا صاحب کے حبالۂ عقد میں نہیں آئی اور الہام کا مفہوم غیر متعین ہی رہا۔ مرزا صاحب کو

مرزا صاحب کو آتھم کے ہاویہ کا الہام ہوا تھا۔ میعاد کی آخری تاریخ تک وہ اس تشریح پر جمے رہے کہ آتھم چھ ستمبر کا سورج طلوع ہونے سے پہلے مرے گا۔ مگر وہ نہ مرا۔ تب بعد از وقت مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ الہام کا مفہوم یہ نہیں بلکہ یہ تھا۔

اس قسم کی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ بہرحال جب وہ الہامات جن کو مرزا صاحب نے اپنے صدق و کذب کا معیار بنایا تھا ان کی تشریح کے مطابق ظہور پذیر نہیں ہوئے تو یہی تاویل کی گئی کہ الہامات کو سمجھنے میں اجتہادی غلطی لگ جاتی ہے۔ اسی اصول پر اگر ہمارے بھائی یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ مرزا صاحب کو "مسیح موعود" بنانے والے الہام میں غلطی لگ گئی تو ان کی ساری نفسیاتی الجھن دور ہو سکتی ہے۔ اور جس مخمصہ میں وہ پھنسے ہوئے ہیں ان سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہیں۔

جامعیتِ شانِ مصطفےٰ

ارسال کردہ :- مفتی رشید احمد ارشد مدرسہ قاسم العلوم ساروکی وزیر آباد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ پ۵ ع۶ ۔

ترجمہ :- جس نے رسولِ اکرم صلعم کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔

رسول صلعم مطاعِ مطلق ہیں

اس آیت مبارکہ میں پروردگارِ عالم نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مطاعِ مطلق قرار دیا ہے جن کی اطاعت ہر انسان ہر قوم پر ہر زمان و مکان میں لازمی اور واجب قرار دیتے ہوئے کیا پیارا عنوان اختیار فرمایا کہ میرے اس پاک نبی صاحب لولاک و معراج پیغمبر صلعم کی اطاعت میری اطاعت ہے ۔ جب اطاعت رسولِ اکرم صلعم اطاعتِ خدا ٹھہری پھر مقام شان اور شان رسول ہی کا کیا کہنا ۔

؎ رخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

بلکہ اگر میں چڑھ کر یہ کہہ دوں تو موزوں تر ہوگا کہ آقا ۔

؎ تیری معراج کہ لوح و قلم تک پہنچا
اور میری معراج کہ تیرے قدم تک پہنچا

عظمتِ خاندانِ پیغمبر و نسبِ پیغمبر صلعم

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان کرۂ ارضی پر سب سے بہتر خاندان تھا آپ کی خاندانی شرف و مجدیت کی گواہی اپنے تو اپنے بیگانوں نے بھی دی ۔ چنانچہ ابو سفیان نے شاہِ روم کے دربار میں گواہی دی کہ ان کی قوم اقوامِ عالم میں بہتر اور ان کا خاندان و قبیلہ تمام قبائل میں ذی قدر و احتشام ہے سلسلہ نسب کا شجرہ طوبیٰ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل سے جا ملتا ہے ۔ آپ کا شجرہ عالیہ یہ ہے ۔ محمد بن عبد اللہ بن المطلب بن ہاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ الخ ۔

رسول ؐ کے سوا کوئی مطاعِ مطلق نہیں

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ پ ۲۲ ع

ترجمہ اور کسی مومن مرد کسی مومنہ عورت کو حق نہیں پہنچتا کہ جس وقت اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو انہیں کوئی اختیار باقی رہا ہو ۔ یہاں تو رب کریم نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے شاہ و گدا ۔ امیر و غریب ۔ حاکم و رعایا ۔ اجیر و آجر الغرض تمام بنی نوعِ انسان کے اختیار کو سلب کرتے ہوئے لا کے ساتھ تہہ تیغ کر دیا ۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حکم کے پہنچنے کے بعد ایک بندۂ مومن و مسلم کے لیے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں ۔ مَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰىکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا پ ۲۸ ع

جو رسول تم کو دے پکڑ لو جس سے روکیں پس رک جاؤ ۔

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے
خوشی ہے آپ کی جس میں اسی میں ہے خوشی میری

آفتابِ رسالت چمکا بہاروں میں بہار آئی

ساقیِ کوثر شافعِ محشر ماہِ ربیع الاول میں واقعہ فیل سے ۵۵ دن بعد سوموار کی صبح کو پیدا ہوئے ۔ حضرت یحییٰ و حضرت داؤد بھی موسم بہار میں پیدا ہوئے ۔ سوموار کا دن تاجدارِ مدینہ کی زندگی میں نہایت اہم حیثیت رکھتا ہے کیونکہ آپ کی ولادت بعثت ہجرت اور وفات سب سوموار ہی میں (سیرت رحمۃ اللعالمین صفحہ ۴۲/۱)

رحمۃ اللعالمین کی ولادت کیا تھی اور آفتابِ رسالت مہر درخشاں بن کر کیا چمکا کہ بہاروں میں بہار آگئی اور آپ کی پیدائش کو نقاشِ ازل نے ربیع الاول یعنی سب سے پہلی بہار قرار دے کر بتلا دیا کہ اگرچہ یہ سب سے آخر پیدا ہوئے مگر سب سے پہلی بہار بنا کر بہاروں میں بہار لانے والے پیدا کیے گئے

نوجهي والزمان وثمعود وصنهي
ربيعٌ في ربيعٍ في ربيعٍ

آپ کا وقتِ ولادت سحر ہے صبح صادق اس فانی سورج کی خبر دے رہا چکی تھی پر اسے کیا خبر تھی کہ دنیا کا یہ مادی سورج بعد میں طلوع ہوگا مگر اس سے پہلے روحانی سورج ابھی ہوئی دنیا میں نیرِ تاباں مہرِ درخشاں بن کر طلوع ہو چکا ہوگا۔

جامعیتِ شانِ مصطفےٰ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کمالات کا مجموعہ احسانات کا منبع اور بنی نوعِ انسان کے لیے محاسن کا مخزن بن کر مبعوث ہوئے۔ آپ نے ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کی طرح ستائے اور جھٹلائے جانے پر صبر و شکر کیا حضرت یحییٰؑ کی طرح صدائے علم بلند کو بستیوں اور بیابانوں کے دیوانوں میں پہنچایا۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرح خانۂ خدا کی عظمت و کبریائی کو از سرِ نو زندہ فرمایا حضرت ایوبؑ کی طرح صبر و شکیبائی کے ساتھ شعب ابی طالب میں جفا و جبر کی مصیبتوں کے دن کاٹے لیکن پھر بھی قلبِ مصطفےٰ تھا نے خدا سے بر بنۂ زبانِ مصطفےٰ حمد و ستائش سے زمزمہ سنج — آپ نے حضرت نوحؑ کی طرح برگشتہ بخت قوم کو خفیہ و علانیہ۔ خلوت و جلوت، شب و روز، میلوں اور جلسوں، گذرگاہوں اور راہوں پر۔ ریگزاروں اور میدانوں میں دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ آپ نے خلیل اللہ کی طرح سرکش و نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کر کے مادرِ وطن کو چھوڑ کر شجرۂ طیبہ اسلام کو لگانے کے لیے پاک زمین کی تلاش و جستجو میں رہ نوردی کی۔ اور شبِ تاریک میں ہجرت کو حضرت داؤدؑ کی طرح نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ آپ حضرت یونسؑ کی طرح (جنہوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینوا ہی میں اپنی منادی کی صدا دی) غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہ کر مدینہ منورہ میں کلمۃ اللہ کو سربلند رکھا۔ آپ نے حضرت موسیٰؑ کی طرح (جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا) شمالی عرب کو قسطنطنیہ کی قیدِ ملوکیت سے اور مشرقی عرب کو کسریٰ ایران کی زنجیرِ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش کے طوقِ بندگی اور سلاسلِ اطاعت سے آزاد کرایا۔

آپ نے حضرت سلیمانؑ کی طرح مدینہ منورہ میں خدائے واحد کا گھر بنایا جو ہمیشہ کے لیے ضیائے توحید سے پرنور اور یادِ خدا کرنے والوں سے پرمعمور رہا ہے۔ جسے کوئی وقت کا بخت نصر جیسا سیاہ بخت ویران نہ کر سکا اور نہ ہی قیامِ قیامت تک کر ہی سکے گا۔

آں واحد میں آپ جامع ترین

میں کیا کہوں حضرت یوسفؑ کی طرح ظلم و ستم اور جفا و جبر ڈھانے والے برادرانِ مکہ کے لئے بخششِ غلہ بہم پہنچایا۔ اور فتح مکہ کے دن لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (آج کے دن تم پر کوئی پکڑ نہیں) کا مژدہ جانفزا سنا کر اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (تم آزاد ہو) کے فرمانِ مصطفوی صلعم سے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پابندِ احسان و منت کر دیا۔

الغرض خلاصہ یہ ہے

آپ ایک ہی وقت میں حضرت موسیٰؑ کی طرح صاحبِ تخت و حکومت بھی تھے اور حضرت ہارونؑ کی طرح تاجِ امامت بھی آپ کے سر تھا۔ ذاتِ بابرکت حضرت نوحؑ جیسی سرگرمی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسی نرم دلی۔ حضرت یوسفؑ کی طرح صفتِ عفو و درگزر۔ حضرت داؤدؑ جیسی فتوحات و کامیابی۔ حضرت یعقوبؑ کا سا امت کے لیے حزن و ملال حضرت ایوبؑ کی طرح صبر و شکر۔ حضرت سلیمانؑ کی شوکت و سطوت حضرت عیسیٰؑ کی مانند خاکساری و تذلل۔ حضرت اسماعیلؑ کی طرح سب روحی کامل طور پر ظہور بخش تھی۔

ع
اے کہ بر تختِ سیادت زازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ع
آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

بقیہ: حملۂ تاتار اور ۔ ۔ ۔

اسلام نے ان کے دلوں کی محفوظ پناہ گاہیں اپنے لیے تلاش کر لیں۔ اور وہی مذہب جسے وہ دنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے پر تُل گئے تھے ان کا واحد اور پسندیدہ مذہب بن گیا۔

کیا یہ واقعہ مستشرقین کے اس اعتراض کا مضحکہ نہیں اڑا رہا؟ کیا تاریخ کے یہ اوراق ان محققین کی "دیدہ ریزیوں" کی بُری طرح تردید نہیں کرتے؟

بلاشبہ یہ واقعات جو تاریخ کے انتہائی اہم اور عظیم واقعات ہیں۔ ہمیں چیخ چیخ کر یہ بتلا رہے ہیں۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ خود اپنے زور سے پھیلا ہے۔ اسلام میں ایسی کشش اور مقناطیسیت موجود ہے جو صرف مفتوحین ہی کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر لیتی بلکہ فاتحین کے گروہوں کو بھی اپنا گرویدہ بنانے پر اپنا نظیر اور ثانی نہیں رکھتی۔ کسی نے سچ کہا ہے

ہے عیاں آج بھی فتنۂ تاتار سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

گذشتہ سے پیوستہ

حملۂ تاتار اور اسلام کی فتح

محمود عارف، لاہور

مغلوں میں اشاعت اسلام

مغلوں اور تاتاریوں کی مختلف اقوام میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی؟

یہ واقعہ جس قدر اہم ہے اسی قدر تاریخ کے میدان میں اس پر سب سے کم توجہ دی گئی اور اس عظیم الشان معاملے کا پس منظر بہت کچھ نگاہوں سے اوجھل ہے۔ تاہم اس ضمن میں جزئیات ضرور پائی جاتی ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ نے "دعوت اسلام" میں جستہ جستہ واقعات لکھے ہیں چنگیز خان کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہو گئی اور ان چاروں شاخوں میں اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ سب سے پہلے تاتاری خان مسلمان ہوئے۔ اور ان کی تبلیغ اور اثر سے ان کی قومیں بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تمام قوم مسلمان ہو گئی۔

شاخ (۱)

جوجی خان کی اولاد میں اشاعت اسلام

جوجی خان کی اولاد جو سلطنت کے مغربی حصہ سیرا اوردا پر حکمراں تھی۔ اس شاخ میں سب سے پہلے اسلام کو قبول کرنے والی شخصیت "برکہ خان" کی تھی جو ۱۲۵۶ء سے ۱۲[illegible]ء سیرا اوردا کا حکمراں رہا۔ پروفیسر آرنلڈ نے اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کا یہ سبب بیان کیا ہے "اس بادشاہ (برکہ خان) کے مسلمان ہونے کی نسبت لکھا ہے کہ ایک دن وہ ایک کارواں میں گیا جو بخارا سے آتا تھا اس میں دو مسلمان تاجر بھی تھے۔ ان دونوں کو برکہ خان الگ لے گیا اور اسلام کے متعلق کچھ سوالات ان سے کئے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب کے احکام اس خوبی سے بیان کئے کہ سیرا اوردا کو مسلمان ہونے کا شوق پیدا ہوا اور وہ اسلام لے آیا۔ اس کا حال برکہ خان نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا اور اسے بھی اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی اس کے بعد برکہ خان نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا" (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۹۵ بحوالہ دعوت اسلام)

یہ شاخ تقریباً سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئی اور اس میں بڑی سرعت سے اسلام پھیلا۔

شاخ (۲)

ایل خانیوں میں اشاعت اسلام

ایران میں جہاں ہلاکو خاں دولت ایلخانیہ کا بانی ہوا ترکوں میں اسلام کی اشاعت رفتہ رفتہ ہوئی (ہلاکو خان کا بیٹا تکودار جو اپنے بھائی اباقا خان کا جانشین ہوا۔ دولت ایل خانیہ کا پہلا بادشاہ تھا جس نے اسلام قبول کیا۔ ایک عیسائی مصنف نے لکھا ہے کہ تکودار کی تعلیم و تربیت عیسوی مذہب کے مطابق ہوئی تھی، بچپن میں اس کو اصطباغ ملا تھا اور نکولس اس کا نام رکھا گیا تھا لیکن تکودار جب بڑا ہوا تو اس نے مسلمانوں کے اثر صحبت سے جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیا اور سلطان محمد (یا احمد) نام رکھا اور جس قدر ہو سکا اس بات کی کوشش کی کہ تمام تاتاری اسلام قبول کر لیں اور اس کے لئے انعام و اکرام اختیار اور عزت لوگوں کو بخشی یہاں تک کہ اس کے زمانہ میں بہت سے تاتاری مسلمان ہو گئے" (تاریخ دعوت عزیمت ص ۲۹۷ بحوالہ پروفیسر آرنلڈ)

اس نیک سیرت سلطان پر اسلام قبول کرنے کے جرم میں جو بیتی وہ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے ۱۲۸۴ء میں تکودار (سلطان احمد) کے خلاف ایک بغاوت برپا ہوئی جس کا سرغنہ ارغون خان تھا۔ ارغون خان نے تکودار (احمد) کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا اس کے زمانے میں (۱۲۸۴ء - ۱۲۹۱ء) جو چند سال رہا عیسائیوں پر پھر سلطنت کی طرف سے مہربانی ہوئی اور مسلمانوں کو سختیاں اٹھانا پڑیں اور سرکاری عہدوں اور نوکریوں سے برطرف کر دیئے گئے ... ۱۲۹۵ء میں ان کا ساتواں بادشاہ غازان جو خاندان ایلخانیہ کا سب سے زیادہ بارعب اور پرسطوت بادشاہ ہوا۔ مسلمان ہو گیا اور اس نے اسلام کو ایران کا سرکاری مذہب بنا دیا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۰۰ ج ۱ - دعوت اسلام ص ۲۵۱، ۲۴۸)

حالانکہ یہی سلطان غازان خان تھا کہ جس کی تعلیم و تربیت بدھ مذہب کے مطابق ہوئی تھی۔ اور بدھ مت کے علماء کی مجالس اسے شروع ہی سے بہت بھاتی تھیں۔ مگر جب اسلام کے سورج نے اسے اپنی چمک دکھائی تو اس کے سامنے بدھ مت اور دیگر مذاہب کے چراغ تقریباً ماند ہو گئے اور صرف اسلام کی روشنی باقی تھی جس نے غازان کو بھی اپنے پیروؤں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس سلطان کو مذہبی بحث کا بڑا شوق تھا اور وہ مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرتا رہتا تھا بالآخر اسے اسلام کی قوت جاذبہ نے اپنے اندر جذب کر لیا مورخ ابن کثیر اس واقعہ پر پھولے نہیں سماتے لکھتے ہیں۔

اس سال چنگیز خان کا پوتا۔ غازان خان ابن ارغون ابن اباقا ابن تولی ابن چنگیز خان تاتاریوں کا بادشاہ مسلمان ہوا اور امیر توزون کے ہاتھ پر علانیہ مشرف باسلام ہوا اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے جس دن بادشاہ مسلمان ہوا اس دن اس نے سونا، چاندی موتی لوگوں کے سروں پر نچھاور کئے۔ اس نے اپنا نام محمود رکھا اور خطبۂ جمعہ میں شرکت کی ... لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں تسبیحیں اور ہیا کل (؟) دیکھے اور اللہ کے فضل و احسان کا شکریہ ادا کیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۴۰ ج ۱۳) غرض اس نیک دل بادشاہ کے وقت سے اسلام دولت ایل خانیہ میں تمام مذاہب پر غالب آ گیا۔

چغتائی خان کی اولاد میں اشاعت اسلام

اس خاندان کی تیسری شاخ جو بلاد متوسطہ پر قابض تھی جس کا بانی چغتائی ابن چنگیز خان تھا اس میں اشاعت اسلام کیونکر ہوئی ؟ اس کے متعلق پروفیسر آرنلڈ رقمطراز ہیں۔

بلاد متوسطہ جو چغتائی ابن چنگیز خان اور اس کی اولاد کے حصہ میں آئے تھے۔ دعوت اسلام کے حالات کا پتہ کم چلتا ہے اس سلسلہ میں پہلا بادشاہ جس کو نور اسلام کی برکت ملی وہ براق خان تھا جو چغتائی خان کا پرپوتا تھا اور جس نے تخت نشین ہونے کے دو سال بعد مسلمان ہو کر سلطان غیاث الدین اپنا نام رکھا۔ لیکن شروع زمانہ میں اسلام کی ترقی زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی چونکہ براق خان (غیاث الدین) کے مرنے کے بعد مغل جو مسلمان ہو گئے تھے۔ دوبارہ اپنے قدیم مذہب پر قائم ہو گئے اور چودھویں صدی عیسوی سے پہلے اس کی اصلاح نہ ہو سکی! البتہ طرمشرین خان جس نے ۱۳۲۲ء سے ۱۳۳۰ء تک حکومت کی ! جس وقت مسلمان ہوا تو چغتائی مغلوں نے بالعموم اسلام اختیار کر لیا ؟ ایک دفعہ انہوں نے اپنے بادشاہ کی طرح اسلام قبول کر لیا۔ تو وہ مضبوط دل سے مذہب اسلام پر قائم رہے لیکن اس حال میں بھی اسلام کا اور مذاہب پر غالب ہونا جو حریف مقابل تھے یقینی امر نہ تھا کیونکہ طرمشرین خان کے جانشینوں نے مسلمانوں کے اوپر ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اور جب تک کاشغر کا بادشاہ جس کی سلطنت ریاست چغتائیہ کی تقسیم و ضعف سے خود مختار ہو گئی تھی۔ اسلام کی حمایت کو نہ اٹھا۔ اس وقت تک اسلام کی ترقی ممکن نہ ہوئی۔

سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کا واقعہ

سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور تھا (۱۳۴۷ء سے ۱۳۶۳ء) لکھا ہے کہ بخارا کے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر میں آئے اور انہوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا شیخ جمال الدین اور ان کے ساتھی سفر میں تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر سے ان کا گزر ہوا بادشاہ نے اس قصور میں ان کی مشکیں کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا اور نہایت غصہ کی حالت میں ان سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں بے اجازت ہماری زمین پر داخل ہوئے۔ شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں۔ ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کی ممانعت ہے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں۔ تو بادشاہ نے کہا کہ "ایرانی سے تو کتا بہتر ہے" (ایک روایت یہ ہے کہ تغلق نے اپنے شکاری کتے کی طرف اشارہ کر کے کمال حقارت سے پوچھا کہ یہ بہتر ہے یا تم ... ؟)

شیخ نے جواب دیا۔ سچ ہے۔ اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا۔ تو ہم کتے سے فی الحقیقت بدتر تھے۔ یہ (عجیب) جواب سن کر تغلق تیمور حیران رہ گیا اور حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں۔ تو یہ ایرانی ہمارے سامنے پیش کئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بادشاہ نے شیخ کو علیحدہ بلا کر پوچھا کہ جو کچھ تم اس وقت کہتے تھے۔ اب سمجھاؤ [illegible] برحق سے تمہارا کیا مطلب ہے شیخ نے اسلام کے احکام اور [illegible] کو اس جوش کے ساتھ بیان کیا کہ سلطان کا دل جو پہلے پتھر تھا۔ اب موم کی طرح نرم پڑ گیا۔

شیخ نے حالت کفر کا ایسا مہیب نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اب تک بے بصیرت رہنے کا یقین ہو گیا۔ لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اس وقت اسلام کا اظہار کر دوں تو پھر رعایا کو راہ راست پر نہ لا سکوں گا اس لئے اب تم سکوت اختیار کرلو۔ جب میں اپنے باپ کے تخت اور ملک کا وارث ہوں تو اس وقت تم میرے پاس آنا۔ چغتائیہ سلطنت اب حصہ ہو کر چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کر کے پھر قلمرو

چغتائیہ کی شکل ایک سلطنت قائم کردے۔ اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن کو چلے گئے۔ اور یہاں سخت بیمار پڑے۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے رشید الدین کو کہا کہ تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا۔ تم اس کے پاس جاکر میرا اسلام پہنچانا اور بادشاہ کو یاد دلانا کہ اس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا؟ چند سال کے بعد جب تغلق تیمور نے باپ کا تخت حاصل کرلیا۔ ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا کہ باپ کی وصیت پوری کرے۔ لیکن باوجود کوشش کے اس کو خان کے دربار میں حضوری نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے مجبور ہوکر یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تیمور کے خیمہ کے قریب اذان کہنی شروع کردی۔ تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو غصہ ہوا۔ اس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا۔

رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام تغلق کو سنایا۔ تغلق کو پہلے ہی اپنے وعدہ کا خیال تھا۔ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اس نے اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی اور اس کے زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہوگیا جو چغتائی ابن چنگیز خان کی اولاد کے تسلط میں تھے (تاریخ دعوت و عزیمت صفحہ ۳۰۲ و ۳۰۴ ج ۱ بحوالہ دعوت اسلام صفحہ ۲۵۶ از آرنلڈ)

<u>شاخ ۲</u>

اوگتائی خاں کی اولاد میں اشاعتِ اسلام

مغلوں کی وہ شاخ جو سلطنتِ عظمیٰ کے مشرقی حصہ سلطنت پر قابض تھی جس کا بانی اوگتائی خان تھا جس کی اولاد میں منگو خان اور قوبلائی خاں جیسے عظیم فرمانروا پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں اشاعت اسلام کیونکر ہوئی؟ اس کی تفصیل آرنلڈ کی زبان سے سنئے:۔

"تمام سلطنت مغلیہ میں ہر جگہ ایسے مسلمان موجود تھے جو منکرین کو خفیہ طور پر مسلمان کرلیتے تھے — اوگتائی خان (۱۲۲۹ء — ۱۲۴۱ء) کے عہد میں حاکم ایران کرگز نام کا حال لکھا ہے کہ وہ اوّل بُدھ مذہب کا پیرو تھا۔ پھر اس نے یہ مذہب ترک کرکے اسلام اختیار کرلیا۔ تیمور خاں (۱۲۲۹ء — ۱۲۳۲ء) خانان انندا نے جو قوبلائی خاں کا پوتا تھا اور چین میں صوبہ کانسوہ کا حاکم تھا اسلام قبول کیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ بلکہ جو فوج اس کے تحت میں تھی اس کے بھی اکثر لوگ مسلمان ہوگئے تھے۔ خاقان نے انندا خان کو اپنے دربار میں بلایا اور کوشش کی کہ انندا خان اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ بدھ مت قبول کرے مگر اس نے انکار کردیا۔ اور اسے قید کردیا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اسے رہا کردیا گیا کیونکہ تانگوت کی رعایا جسے اپنے حاکم سے بہت محبت تھی بغاوت پر آمادہ ہوچکی تھی۔" (تاریخ دعوت و عزیمت صفحہ ۳۰۴ ج ۱ بحوالہ دعوت اسلام صفحہ ۵۲۳، ۵۲۴)

غرض اس طرح وہ قوم جس نے اسلام اور مسلمانوں کو غارت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ بہت جلد اسلام کی اطاعت و انقیاد کے حلقہ میں داخل ہوگئی اور اسلام کے سب سے بڑے مخالف اسلام کے دوستوں کی صف میں نظر آنے لگے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

مستشرقین کے لیے لمحۂ فکریہ

مستشرقین کا اسلام پر سب سے قوی اعتراض یہ ہے کہ یہ مذہب اپنی روحانی طاقت اور قوت سے نہیں پھیلا، بلکہ یہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔

کیا وہ لوگ یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ تاتاریوں پر کس خطہ کے مسلمانوں نے تلوار اٹھائی؟ وہ کون سی سرزمین ہے کہ جس کے رہنے والوں نے مغلوں اور وحشی اقوام کو اپنی طاقت اور قوت کے بل پر دعوت اسلام دی؟ یا واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تمام عالم اسلام ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی چیرہ دستیوں سے لرزہ بر اندام تھا خود اسلام کی چولیں اس وقت ڈھیلی ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں جن پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت زوال کے آخری لمحات بھی بتا چکی تھیں۔ مسلمانوں کے صرف علوم و فنون ہی ضائع نہیں ہوئے بلکہ وہ ہستیاں بھی اس ہنگامہ کی نذر ہوگئیں کہ جن کا وجود خود ایک کتاب تھا اور جن کے اقوال سے کتابیں لکھی جاتی تھیں ایسے نازک وقت میں کسے ہوش تھا کہ اسلام کی حمایت میں آمادہ ہوتا۔ اور ان وحشیوں کو دعوت اسلام دیتا۔

مگر یہ تاریخ کا ایک ایسا عجیب واقعہ ہے کہ وہی قوم جس نے مسلمانوں کو ہر محاذ پر شکست دی بہت جلد اسلام کی قوت و شوکت سے خود ہی مفتوح و مغلوب ہوگئی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مطبوعاتِ جدیدہ

★ بغرضِ تبصرہ کتاب کی دو جلدیں دفتر میں آنا ضروری ہیں

فلسفۂ ختمِ نبوت

مسئلہ ختم نبوت سے متعلق قرآن و حدیث میں جتنے کچھ دلائل موجود ہیں ان سے اہلِ علم اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس کے ساتھ امتِ مسلمہ کا اجماع اور وہ بھی اس طرح کہ صدرِ اول میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے اپنا خون قربان کیا اور بعد کے ادوار میں جہاں کہیں اس فتنہ نے سر اٹھایا اس کا سر کچلا گیا۔ ہماری تاریخ کا قابلِ قدر باب ہے۔ جب برصغیر میں انگریزی استبداد کے زیرِ سایہ کادیانی دہقان نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اس کا علاج بھی وہی تھا جو مسیلمہ کذاب کا ہوا۔ لیکن چونکہ قلم بر کفِ دشمن کے مصداق قوت و طاقت سے مسلمان تہی دامن تھے۔ اور یہ سب کچھ اس کے مربی و سرپرست انگریز کے قبضہ میں تھا اس لیے ایسا تو نہ ہو سکا البتہ علماءِ ربانیین نے اپنے اپنے انداز میں بہترین علمی سرمایہ فراہم کیا جو گم کردہ راہ لوگوں کے لیے بصیرت و ہدایت کا باعث بنا۔

اسی بصیرت افروز لٹریچر کے مہیا کرنے والوں میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام بھی آتا ہے جو دیوبند کے نامور سپوت، ایک بہترین مدرس، یگانۂ روزگار خطیب، مصنف بے بدل اور بہترین قائد و رہنما تھے۔ مرحوم کی دوسری خدمات کے علاوہ ان کی یہی ایک خدمت لاکھوں پر بھاری ہے۔

"فلسفۂ ختم نبوت" کے نام سے آپ کا بلیغ مقالہ آپ کی معرکۃ الآراء کتاب قصص القرآن جلد چہارم میں چھپا تھا جسے افادۂ عام کے لیے "مسلم اکادمی وزیر پورہ سیالکوٹ" نے الگ کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

خوبصورت اور دلآویز ٹائیٹل، نکھری ہوئی کتابت اور بہترین کاغذ کا یہ گلدستہ مسلم اکادمی سے تین روپیہ میں مل سکتا ہے۔

تبلیغی کام کرنے والے پرانے حضرات سے خطاب

یہ رسالہ مشہور تبلیغی جماعت کے معروف بزرگ مولانا محمد عمر پالن پوری کی ایک تقریر پر مشتمل ہے جو موصوف نے برما کے دورہ میں رنگون کے ایک اجتماع میں فرمائی تھی۔

تبلیغی تحریک نے ہماری قومی زندگی میں بڑا اچھا کردار ادا کیا ہے اور اس کی خدمات کو بجا طور پر سراہا جا سکتا ہے۔ اس مشن کو سمجھنے کے لیے مفید رسالہ ہے۔

زیر نظر رسالہ مکتبہ زکریا جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

قیمت صرف ایک روپیہ ہے۔

عورتوں کی نماز اور ضروری احکام و مسائل

اسلام کے انتہائی اہم رکن نماز کے مسائل کا اس رسالہ میں تذکرہ ہے اور مستورات کے جو مخصوص مسائل ہیں ان کا بالخصوص اہتمام کیا گیا ہے۔

ساتھ ہی زکوٰۃ، حج، قربانی اور میت کے نہلانے کفنانے سے متعلق ضروری مسائل ہیں اور بعض رسومات کا تذکرہ کر کے ان کی شرعی حیثیت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

کلکتہ کے ایک مشہور تاجر شیخ غلام رسول صاحب کی فرمائش پر وہاں کے دو مستند بزرگ علماء یعنی مولانا سید محمد قریشی اور مفتی محمد یحییٰ صاحب نے اسے مرتب کیا تھا اب مکتبہ زکریا لاہور نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

قیمت ایک روپیہ ہے۔

مستورات اور بچیوں کے لیے یہ رسالہ بڑا مفید ہے اور ہماری استدعا ہے کہ ابتداء میں ہی بچیوں کو یہ پڑھایا جائے۔

فکرِ حسینؑ

از مولانا انیس الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پتہ چلا یہ مجھے ہے قریبِ یومِ ثقیل — کہ ساکنانِ سرِ کوہ شہر میں ہیں نزیل

اسی لئے ہے انہیں نار سے خطر اب تک — کہ نفسِ حیوۃ میں سوزِ خودی نہیں ہے دخیل

پئے ہوئے ہیں وہ جرعۂ مئے الا — نگہ ہے جن کی بوافردِ لا الٰہ قتیل

شبِ عروس میں تہذیبِ نو پریشاں ہے — کہ پھونک گیا ہے زمانے میں صورِ اسرافیل

غلام غیر ہے کافر میں یہ نہیں کہتا — کہ دین تیرا ابھی تک ہے تشنۂ تکمیل

خیالِ فکر کی پرواز ہے اثر کی مثال — بہت ہے وسعتِ صحرا میں بے ثمر ہیں نخیل

خدا ہی میرا نگہبان ہو اس مسافت میں — دراز جادۂ منزل ہے زادِ راہ قلیل

بتانِ دیرِ کہن دل لبھا نہیں سکتے — اگرچہ صورتِ ظاہر میں ہیں حسین و جمیل

سرودِ شوق میں گر ذوقِ نغمہ کو حاصل — یہی ہے فکرِ حسینؑ اور یہی ہے ذکرِ جلیل

ہمیشہ فاش کیا خود کو ہر زمانے میں — گہے بہ جلوۂ طور و گہے بہ نارِ خلیل

خموش باش رفیقا کہ جملہ دانش مند
حکایتِ غمِ دل را نمے کنند طویل

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

[illegible]

بقیہ: فکر ولی اللٰہی

مشکل نہیں ضرور ہے۔ دینی مدارس کے نظام و نصاب میں اس حد تک نظر ثانی کی بھی چاہیے کہ سند فراغت حاصل کرنے والا طالب علم تحریر، تقریر، تدریس، اصلاح یا تحریک میں سے کم از کم کسی ایک محاذ پر اعتماد و اطمینان کے ساتھ خدمات سرانجام دے سکتا ہو اور تحریک ولی اللٰہی کو ان شعبوں میں ہمیشہ آمدہ "قحط الرجال" سے نجات مل جائے اور پھر دینی مدارس کو صرف حجۃ اللہ البالغہ پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے افکار و تعلیمات کو اچھی طرح سمجھنے والے علماء کرام کی ایک جماعت ان افکار و نظریات کو نصابی انداز میں مرتب کرے اور پھر اسے شامل نصاب کیا جائے۔ پھر ولی اللٰہی خاندان اور جماعت کی تاریخ بھی اسی انداز میں مرتب کر کے شامل نصاب کی جائے اور اس کے ساتھ طلبہ کو تعلیم کے ساتھ عملی، روحانی، فکری تربیت بھی دی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض کو کماحقہ سرانجام دے سکیں۔

۵۔ ملکی صورت حال کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ہم ولی اللٰہی فکر کو سامنے لائیں۔ سرمایہ دارانہ نظام دم توڑ رہا ہے اور طے شدہ منصوبہ کے تحت ملک میں اخلاقی اقتصادی اور معاشرتی انارکی پیدا کر کے سوشلزم کی کی راہ ہموار کی جا رہی ہے ملک کا ہر شہری ملک و قوم کے مستقبل کے بارے میں پریشان ہے۔ ایسے وقت میں بھی اگر ہم نے امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار و نظریات اور ولی اللٰہی تحریک کا حق ادا کرتے ہوئے قوم کی فکری و عملی قیادت نہ کی اور قوم کو نجات کا راستہ نہ بتایا تو یہ بات نہ صرف ولی اللٰہی خاندان کے ساتھ شرمناک بے وفائی اور احسان فراموشی کا افسوسناک مظاہرہ ہو گا بلکہ ملک و قوم کے ساتھ بھی غداری ہو گی۔

کیا دینی مدارس کے ارباب حل و عقد اور ولی اللٰہی فکر سے محبت رکھنے والے حضرات اس اندوہناک صورت حال پر غور و عوض کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

بقیہ: مجلس تحفظ ختم نبوت

کی مسلم تنظیمیں بھی جماعت کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ جماعت ان کی جملہ ضروریات از قسم مبلغین اور لٹریچر وغیرہ کو پورا کیا جائے۔

ان مختصر تعارفی نوٹس کی روشنی میں دیکھا جائے تو مجلس کے ہمہ گیر نظام کا قدرے اندازہ ہو جاتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ حضرت الشیخ السید محمد انور شاہ کشمیری، حضرت الامام مولانا احمد علی لاہوری، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی دعائیں، امیر شریعت خطیب پاکستان متکلم اسلام اور مناظر اسلام قدس سرہم جیسے جماعتی بزرگوں کی مخلصانہ جد و جہد اور شہداء ختم نبوت کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں۔ اور فتنہ ارتداد کے قلع قمع کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ مرزائی دنیا نے بدقسمتی سے اسلام کے نام پر بیرون ملک جو جال بچھائے ہوئے ہیں ان کو توڑنا ہمارا فرض ہے اور جب ایک ادارہ اجتماعی طریق سے اس کام میں مصروف ہے تو اس کے ساتھ بھرپور تعاون انتہائی ضروری ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اگر مجلس نے اپنی سرگرمیاں اسی طرح جاری رکھیں تو یہ فتنہ دنوں کا مہمان ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

عبید اللہ انور پرنٹر نے باہتمام کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا